جناب ضیاء الدین لاہوری

ولیم میور' دیانند سرسوتی اور سر سید

سر سید احمد خان نے لندن سے اپنے محبوب ترین رفیق نواب محسن الملک کے نام خط تحریر کرتے ہوئے ایک اہم مسئلے پر ان خیالات کا اظہار کیا :

> "ان دنوں میں ذرا میرے دل کو سوزش ہے۔ ولیم میور صاحب نے جو کتاب آنحضرتؐ کے حال میں لکھی ہے اس کو میں دیکھ رہا ہوں۔ اس نے دل کو جلا دیا اور ان کی ناانصافیوں اور تعصبات دیکھ کر دل کباب ہو گیا اور مصمم ارادہ کیا کہ آنحضرتؐ کی سیرت میں' جیسا کہ پہلے ارادہ تھا کتاب لکھ دی جائے۔ اگر تمام روپیہ خرچ ہو جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں تو بلا سے 'قیامت میں یہ تو کہہ کر پکارا جاؤں گا کہ اس فقیر مسکین احمد کو' جو اپنے دادا محمدؐ کے نام پر فقیر ہو کر مر گیا' حاضر کرو"(۱)

حضور اکرم ﷺ کے حالات میں ناانصافیاں دیکھ کر ہر سچے مسلمان کے جذبات یقیناً اسی طرح ہونے چاہئیں جس کا اظہار سر سید نے درج بالا فقرات میں کیا ہے۔ سر سید کی ہزارہا صفحات پر پھیلی ہوئی تحریروں میں سے یہی چند سطریں ہیں جن کی بنیاد پر وہ سچا عاشق رسول کہلائے جانے کے مستحق ٹھہرے اور ان کے شیدائی قلم کاروں کو اپنی محبوب شخصیت کی شان بلند کرنے کا ایک قابل ذکر جواز عطا ہوا۔

سر سید ۴ مئی 1868ء کو لندن پہنچے۔ متذکرہ بالا خط 20 اگست کا تحریر کردہ ہے۔ رسالت مآب ﷺ سے محبت و عقیدت کی یہ جذباتی کیفیت ان پر وہاں پہنچنے کے ساڑھے تین ماہ بعد طاری ہوئی حالانکہ وہ علی گڑھ ہی میں ولیم میور کی کتاب کے بعض مندرجات سے آگاہ ہو چکے تھے۔ وہ یہ ارادہ کر چکے تھے کہ حضور اکرم ﷺ کے حالات میں ایک کتاب لکھی جائے' بلکہ اس پر کام بھی شروع کر دیا تھا۔ لکھتے ہیں۔

> "میں اپنے اس ارادہ کو بہت سے موانعات کے سبب سے' جن میں سب سے بڑا اپنی فکر معاش میں مبتلا رہنا اور اس سے بھی بڑا کسی کا میرے ارادہ کا ممد و معاون نہ ہونا تھا' پورا نہ کر سکا اور علاوہ اس کے اس کام کے لئے بہت سی پرانی کتابیں' جن کو قدیم مصنفوں نے تصنیف کیا ہے' درکار تھیں جو مجھ کو بہ سبب برباد ہو جانے قدیم کتب خانوں کے دستیاب نہ ہو سکیں اور یہ بھی ایک قوی سبب اس ارادہ کے پورا نہ ہونے کا ہوا مگر اس پر بھی مختلف اوقات میں مختصر طور سے مختلف مضامین اور مسائل مذہب اسلام اور آنحضرت کے حالات پر کچھ کچھ لکھتا رہا۔"(۲)

لندن جانے کا پروگرام بنا تو انہوں نے دوستوں سے اس امر کا اظہار کیا کہ اس کام کی تکمیل کے لئے

حوالہ جاتی کتابوں اور اشاعت کے اخراجات کے لئے چندہ جمع کیا جائے مگر بعض دوستوں کی جانب سے حوصلہ افزائی نہ ہوئی۔ ان حالات کا علم سرسید کے لندن پہنچنے کے ایک ماہ بعد 4 جون کو محسن الملک کے نام لکھے گئے ان فقرات سے ہوتا ہے:

> "مجھ کو نہایت افسوس ہے کہ بعض احباب نالائق مثل مولوی ز۔ع (زین العابدین) نے میرا ارادہ دوبارہ تحریر جواب کتاب میور صاحب، جو نسبت آنحضرتؐ لکھی ہے، سست کر دیا اور بر وقت روانگی سامان اور چندہ کرنے نہیں دیا۔ یہاں اس کے جواب کا اس قدر سامان ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔" (۳)

معلوم ہوا کہ ارادے کے باوجود لندن روانگی سے قبل وہاں ولیم میور کی کتاب کا جواب لکھنے کا کوئی حتمی منصوبہ ان کے پیش نظر نہ تھا۔ لندن پہنچنے کے بعد وہاں "وافر سامان" کی موجودگی سے انہیں اس کا شدت سے احساس ہوا مگر مزید دو ماہ گزر جانے کے باوجود اس کام میں معقول پیش رفت نہ ہو سکی تو 6 اگست کو اپنے خط میں اس کا اظہار یوں کیا:

> "میور صاحب کی کتاب کے جواب کا سامان نہیں ہو سکا۔ اب اس کی توقع نہیں۔ ایک انگریزی خواں اور ایک طالب علم، جو مقامات نشان زدہ کو کتب میں تلاش و نقل کر سکتا، میرے ساتھ ہوتے تو ایک برس میں اس کا جواب لکھ لاتا۔ اب نہیں ہو سکتا، مگر میں اس کے مختلف مقامات پر چھوٹے چھوٹے رسالے لکھ رہا ہوں اور اسی کا نام "مواعظ احمدیہ" رکھا ہے۔" (۴)

واضح ہو کہ "مواعظ احمدیہ" کے مجوزہ نام کا رسالوں کا یہی مجموعہ بعد میں "خطبات احمدیہ" کے نام سے طبع ہوا۔

درج بالا حوالہ جات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسائل لکھے جانے کے دوران جب ولیم میور کی کتاب میں موجود بعض تحریروں کے مضامین تک سرسید کی رسائی ہوئی تو انہیں ناقابل برداشت پایا اور ان پر پہلی بار دل کو جلا دینے والی کیفیت طاری ہوئی۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انہیں اس سے پیشتر اس کتاب کے بعض مقامات کے متعلق پوری آگہی نہ تھی۔ خود تو انگریزی جانتے نہیں تھے لہٰذا شروع شروع میں انگریزی خواں طبقے نے ان سے اس کتاب کا جس انداز میں تعارف کروایا، اسے انہوں نے سطحی طور پر ہی قبول کیا تھا۔ اب انہوں نے ایک مصمم ارادے کے ساتھ اپنی تالیف کی طرف توجہ کی۔ اس دوران انہوں نے طباعت کے اخراجات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے چندہ وصول کرنے، سود پر قرض حاصل کرنے اور اپنے برتن تک بیچ دینے کا عندیہ ظاہر کیا کیونکہ اس وقت روپیہ کا حصول ہی سب سے بڑا مسئلہ تھا اگرچہ تاجروں سے گفت و شنید کے نتیجے میں انہیں زیادہ تر یقین تھا کہ لاگت منافع کے ساتھ واپس ہو جائے گی۔ اس کا اظہار انہوں نے اپنے خط میں یوں کیا:

> "اگر یہ کتاب بعد چھپنے کے خاک میں ملا دی جائیگی تب بھی ہزار روپیہ، جو قرض لئے جاتے ہیں، وصول ہو

جائیں گے ...... مجھ کو کچھ شک نہیں ہے کہ جس قدر روپیہ لگے اس سے بہت زیادہ قیمت سے وصول ہوگا، صرف اس وقت روپیہ لگانے کا وقت ہے۔"(۵)

یہ الگ بات ہے کہ بعد میں طباعت کے اخراجات توقع سے زیادہ دکھائی دیئے اور پریشانی ہوئی۔

درج بالا واقعات ان تمام قلم کاروں کی ان اختراعات کی تردید کرتے ہیں کہ سرسید نے لندن کا سفر محض ولیم میور کی کتاب کا جواب تحریر کرنے کے لئے کیا اور صرف اسی مقصد سے انہوں نے سفر اور دیگر اخراجات پورا کرنے کے لئے قیمتی متاع تک بیچ ڈالا۔ اس کی تردید ان کے قریب ترین دوست نواب محسن الملک کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے سرسید کے "بارہا ذکر" کے حوالے سے ان کے لندن جانے کا مقصد واضح کیا ہے۔ لکھتے ہیں :

"جب سید احمد خان لندن جانے کو تھے تو مالی مشکلات اس قسم کی تھیں کہ اگر کوئی دوسرا شخص ہوتا تو اس ارادہ کو پورا نہ کر سکتا۔ انہوں نے اپنے کتب خانہ کو بیچا، گھر اور کوٹھی کو رہن رکھا اور سفر کی تیاری کی انہوں نے بارہا مجھ سے اس بارہ میں پیشتر ذکر کیا تھا کہ میرا مقصود پورا نہیں ہو سکتا۔ جب تک میں بذات خود اصول وطرز تعلیم سے واقفیت حاصل نہ کر لوں۔"(۶)

پس واضح ہوا کہ سرسید نے اپنے قیام لندن سے اس امر کا مکمل فائدہ تو ضرور اٹھایا مگر ان کا سفر لندن محض ولیم میور کا جواب لکھنا نہیں تھا جیسا کہ ہمارے اکثر قلم کار مسلسل اس قسم کے فسانے تراشتے رہتے ہیں، جس کا نمونہ سرسید کے متعلق ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی تحریر کے درج ذیل اقتباس میں پایا جاتا ہے :

"جو سر ولیم میور کی کتاب "لائف آف محمد" پڑھ کر بے تاب ہو گیا ہو جس میں اسلام کی حقانیت اور پیغمبر اسلام ﷺ کے کیریکٹر پر حملے اور اعتراض تھے، ہندوستان میں جواب کے لئے کتابوں اور نوشتوں کا کافی سامان نہ ملنے کی وجہ سے انگلستان کا سفر اختیار کرتا ہے اور اس کی اشاعت کے ناقابل برداشت مصارف سے زیربار ہو کر اپنا سامان اور کتب خانہ بیچتا اور کوٹھی رہن کرتا ہے۔ اور دن رات مسلسل محنت کر کے اپنی یادگار ایک بے مثل اور محققانہ تصنیف "خطبات احمدیہ" چھوڑ جاتا ہے......"(۷)

بہر حال کتاب انگریزی میں شائع ہوئی اور فروخت ہوئی۔ ولیم میور نے پڑھی اور بقول سرسید اس نے اس پر یوں تبصرہ کیا :

"میں نے سرسید احمد خان کے اسلام پر اعتراض نہیں کئے بلکہ اس اسلام پر اعتراض کئے ہیں جس کو تمام دنیا کے مسلمان مانتے چلے آرہے ہیں"(۸)

تو کیا سرسید کا اسلام عامۃ المسلمین کے اسلام سے کوئی الگ مذہب تھا؟ اس کی وضاحت سرسید کے مندرجہ ذیل بیان سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے ولیم میور کی کتاب پر اپنے تاثرات بیان کئے ہیں :

"میرے دل پر جو اس کتاب سے اثر پیدا ہوا، وہ یہ تھا کہ اسی زمانہ میں میں نے ارادہ کیا کہ آنحضرتؐ کے

متعلق حالات میں ایک کتاب اس طرح پر لکھی جائے کہ جو باتیں صحیح اور اصلی اور واقعی اور منقح ہیں اور معتبر روایتوں اور صحیح صحیح سندوں سے بخوبی ثابت ہیں ان کو بخوبی چھان بین کر اور امتحان کر کے ترتیب سے لکھا جائے، اور جو حالات مشتبہ اور مشکوک ہیں اور ان کا ثبوت معتبر یا کافی نہیں ہے ان کو جداگانہ اسی ترتیب سے جمع کیا جائے، اور جو محض جھوٹ اور افترا و بہتان یا خود غرض یا احمق واعظوں اور حمقا کو دام تزویر میں پھنسانے والے لوگوں یا احمق خدا پرست اور جھوٹی نیکی پھیلانے والوں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں ان کو علیحدہ بہ ترتیب لکھا جائے اور انہی کے ساتھ ان کے غلط اور ان کے نامعتبر ہونے کا ثبوت اور ان کے موضوع ہونے کی وجوہات بھی بیان کی جائیں۔" (۹)

اس تاثر کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے سرسید کے خطبات احمدیہ میں بیان کئے گئے طرز کے درج ذیل نمونے ملاحظہ فرمائیں:

"ابن اسحاق، ابن ہشام، طبقات کبیر المشہور بہ واقدی، طبری، سیرت شامی، ابوالفدا، مسعودی، مواہب لدنیہ ان کے سوا عربی اور فارسی زبان میں اور بھی کتابیں ہیں جو انہی سے بنائی گئی ہیں۔ ان کتابوں میں سے پہلی چار کتابیں بہت قدیم ہیں اور باقی بہت پچھلی۔ یہ سب کتابیں تمام سچی اور جھوٹی روایتوں اور صحیح و موضوع حدیثوں کا مختلط مجموعہ ہیں جس میں صحیح اور غلط، مشتبہ اور درست اور جھوٹی اور سچی کسی کا کچھ امتیاز نہیں۔ اور جو کتابیں زیادہ قدیم ہیں ان میں اس قسم کا اختلاط اور زیادہ تھے .... غرض کہ اب فن سیر کی تمام کتابیں، کیا قدیم کیا جدید، مثل ایسے غلہ کے انبار کے ہیں جس میں سے کنکر، پتھر، کوڑا کرکٹ کچھ چنا نہیں گیا اور ان میں تمام صحیح و موضوع، جھوٹی اور سچی، سند اور بے سند، ضعیف و قوی، مشکوک روایتیں مخلوط اور گڈمڈ ہیں۔" (۱۰)

"واقدی کچھ بڑا معتبر شخص نہیں ہے۔ وہ تو حاطب اللیل یعنی اندھیری رات میں لکڑیاں چننے والا ہے۔ اس کی غلط روایتوں اور جھوٹے قصہ کہانیوں اور بے سند باتوں سے تمام علماء نے اس کو نامعتبر ٹھہرایا ہے۔ محمد بن عبدالباقی الزرقانی۔ خود اس کی کتابیں موجود ہیں جو کچھ بھی قدر و قیمت کے لائق نہیں بجز اس کے کہ جو افواہ اس نے سنا اور جو آواز چڑیا کی خواہ کوے کی اس کے کان میں آئی وہ اس نے لکھ دی، کوئی طریقہ تحقیق کا اور کوئی راستہ تنقیح کا اس نے اختیار نہیں کیا۔" (۱۱)

مفسرین اور تفسیروں کے متعلق سرسید تحریر کرتے ہیں:

"مفسرین نے نہایت موٹی موٹی جلدیں ایسی بیہودہ اور نامعتبر روایتوں سے بھر لی ہیں جن کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے۔ غرضیکہ ایسی تفسیریں اور علی الخصوص وہ جو واعظین کے فائدے کے لئے لکھی گئی ہیں اور جن میں خیالی اور بیہودہ قصے انبیاء علیہم السلام کے بھرے ہوئے ہیں اور ملائک اور بہشت اور دوزخ اور ان کے اوصاف و خواص کے بیان کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور کتب سیر سے خلاف قیاس بیانات کو پیش کرتے ہیں، سراسر غیر معتبر روایات سے مملو ہیں۔" (۱۲)

پروفیسر ڈاکٹر محمد یلیین مظہر صدیقی "خطبات احمدیہ" کا تجزیہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"موضوعاتی تجزیہ کے علاوہ سیرت نگاری کا بعض دوسرے اصولوں کی روشنی میں جب ہم خطبات احمدیہ کا جائزہ لیتے ہیں تو سرسید کے طریق نگارش کے بعض امتیازات و خصائل نظر آتے ہیں جو سب کے سب مثبت نہیں بلکہ خاصے منفی بھی ہیں روایات کی تنقیح و تجزیہ میں سرسید کبھی کبھی افراط و تفریط سے کام لیتے ہیں، خاص کر بعض مستند روایات کو مسترد کرنے میں حد اعتدال سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر مسلمانوں کی کتابوں کے حالات پر......... وہ امام بخاری کی تاریخ کو "کچھ بھی قدر کے لائق نہیں" بتاتے ہیں حالانکہ یہ فیصلہ غیر منصفانہ ہے اسی طرح وہ کتب احادیث میں بھی ان کتابوں کو، جن کو معتبر مانتے ہیں، تنقید و تنقیح سے بالاتر نہیں سمجھتے اور مورخ و سیرت نگار کیلئے ضروری قرار دیتے ہیں کہ ان کی تنقیح بھی ضرور کرے ...... دراصل روایات و احادیث کے بارے میں ایک خاص نقطہ نظر رکھتے ہیں جس کو جمہور یا تمام علمائے کرام کا اتفاق حاصل نہیں۔ دوسرے سرسید پر عقلیت پسندی کی اتنی گہری چھاپ تھی کہ وہ کسی واقعہ کے معجزانہ پہلو کو قبول کرنے کے لئے کسی طرح تیار نہ تھے اس لئے یا تو وہ اپنے استدلالات سے کھینچ تان کر معقول و معتبر بناتے تھے یا اس کے معجزانہ پہلو سے سرے سے انکار کر دیتے تھے اس طرح وہ نہ صرف روایات کے قبول و رد میں افراط و تفریط کا شکار ہوئے بلکہ بسا اوقات تضادات کے بھی مرتکب ہوئے۔" (۱۳)

سرسید نے اپنے مجوزہ طریق کار کے مطابق "خطبات احمدیہ" میں جس طرح اکثر ائمہ اور مفسرین کی روایات کو غلط اور نامعتبر بتایا، اس کی روشنی میں سرسید کو خود بھی احساس تھا کہ ان کی کتاب پر عام مسلمانوں میں کیا رد عمل ہوگا۔ لکھتے ہیں :

"میرے ہم قوم اس محنت کی، جو میں نے اس کتاب کی تصنیف میں کی ہے، قدر نہیں کریں گے بلکہ نہایت الزام دیں گے اور کافر بتلائیں گے کیونکہ میں پابند تقلید نہیں رہا ہوں اور شاید دو یا تین مسئلوں میں جمہور سے اختلاف کیا ہے اور چند علماء کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔ پس ہمارے شفیق تمام چیز کو چھوڑ کر انہی مسئلوں کی بدولت فتویٰ کفر دیں گے" (۱۴)

ہمارے دانشور "خطبات احمدیہ" کی تالیف کے پس منظر کے بیان میں سرسید کے "عاشق رسول" ہونے کے بہت بلند و بانگ دعوے کرتے ہیں مگر بد قسمتی سے ان کی اکثریت نے کبھی اس کتاب کے مطالعے کی زحمت گوارا نہیں کی بلکہ بہت سوں کو تو کبھی اس کو ہاتھ لگانا یا دور سے دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوا ہوگا، نہ انہیں اس کا حجم یا ضخامت کے متعلق کوئی علم ہے۔ ان کا مسلک فقط یہ ہے کہ اس موضوع پر سرسید کی شان میں جو کچھ کہیں لکھا دیکھا، اسے بلا سوچے سمجھے لفظ بہ لفظ تسلیم کر لیا اور پھر اپنے مضامین میں اس پر خوب حاشیہ آرائی کر کے اسے مزید بڑھا چڑھا کر پیش کر دیا۔ ولیم میور کی کتاب میں کیا لکھا تھا، انہیں اس سے کچھ غرض نہیں۔ پروفیسر ثریا حسین نے ولیم میور کی کتاب میں جھانک کر دیکھا تو یہ کیفیت پائی :

"ولیم میور چاہتا تھا کہ اس کے ہم وطن انگریز ان اصولوں سے فائدہ اٹھائیں جن کے باعث پیغمبر

اسلام اور ان کے خلفا نے کامیابیاں حاصل کیں۔ اس نے قبل اسلام کے عربوں، خاص کر اہل مکہ کی تجارتی سرگرمیوں کے متعلق وسیع اور عمیق انداز میں غیر جانبداری سے لکھا اور اسلام کی قدیم تاریخ سے واقعات کو معروضیت سے پیش کیا۔ وہ آنحضرتؐ کے لئے پیغمبر کا لفظ بکثرت استعمال کرتا ہے۔ ہم ولیم میور کے اخذ کردہ نتائج سے متفق نہ ہوں گے مگر اسے شر پسندی اور شدت آمیزی کے لئے مورد الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ حضرت محمدؐ کی سوانح عمری نیز مذہب اسلام پر متعدد کتابیں مغربی زبانوں میں موجود ہیں، جب ان سے مقابلہ کریں تو میور کی کتاب اتنی ہمدردی سے لکھی گئی ہے کہ کہیں کہیں اسلام کا دفاع معلوم ہوتی ہے۔" (۱۵)

خود سرسید نے ولیم میور کی تحریروں سے جو اقتباسات پیش کئے ہیں ان میں سے دفاعی انداز کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے:

"ہم بلا تامل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس نے (یعنی مذہب اسلام نے) ہمیشہ کے واسطے اکثر توہمات باطلہ کو، جن کی تاریکی مدتوں سے عرب کے ملک جزیرہ نما پر چھارہی تھی کالعدم کردیا، اسلام کی صدائے جنگ کے روبرو بت پرستی موقوف ہوگئی اور خدا کی وحدانیت اور غیر محدود کمالات اور ایک خاص اور ہر ایک جگہ احاطہ کی ہوئی قدرت کا مسئلہ حضرت محمدؐ کے معتقدوں کے دلوں اور جانوں میں ایسا ہی زندہ اصول ہوگیا ہے جیسے کہ خاص محمدؐ کے دل میں تھا۔ مذہب اسلام میں سب سے پہلی بات، جو خاص اسلام کے معنی ہیں، یہ ہے کہ خدا کی مرضی پر توکل مطلق کرنا چاہیے۔ بلحاظ معاشرت کے بھی اسلام میں کچھ کم خوبیاں نہیں ہیں، چنانچہ مذہب اسلام میں یہ ہدایت ہے کہ سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ برادرانہ محبت رکھیں۔ یتیموں کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاہیے، غلاموں کے ساتھ نہایت شفقت برتنی چاہیے، نشہ کی چیزوں کی ممانعت ہے۔ مذہب اسلام اس بات پر فخر کرسکتا ہے کہ اس میں پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے، جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا۔" (۱۶)

پروفیسر ثریا حسین دونوں کتابوں کا مقابلہ کرتے ہوئے تحریر کرتی ہیں:

"خطبات احمدیہ کا ولیم میور کی کتاب کی فہرست مضامین سے مقابلہ کریں تو اندازہ ہوجاتا ہے کہ بذات خود یہ بارہ خطبے سید احمد خان کے حصول مقصد کے لئے ناکافی ہیں، مثلاً اس میں عربوں کی تجارتی سرگرمیوں کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں ملتا جن پر ولیم میور نے بڑا زور دیا تھا۔ اس کے خیال میں یہی پیغمبر اسلام کی کامیابی کا اولین سبب تھیں۔ ولیم میور نے اپنی طرف سے اسلام پر کوئی خاص اعتراض نہیں کیا بلکہ اس نے قدیم مورخوں کے بیانات کو محض نقل کردیا ہے۔ جس سے ان کے خیالات کی توجیہہ تو ہوجاتی ہے لیکن ولیم میور کی تردید نہیں ہوتی۔" (۱۷)

محترمہ مصنفہ، سر ولیم میور کے متعلق تحریر کرتی ہیں کہ وہ:

"ہندوستان میں ممتاز عہدوں پر فائز رہا............ وہ اپنے آبائی مذہب عیسائیت پر ایمان رکھتا تھا اور باعمل تھا۔ اس نے چھ سات کتابیں لکھیں مگر اہم ترین تصنیف "لائف آف محمد" ہے جس کا نظر ثانی کے بعد

مختصر کر کے صرف چوتھائی حصہ باقی رہ گیا اور اب یہ ہی ایڈیشن ملتا ہے اس کمی بیشی کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ میور نے پیغمبر اسلام کی ضرورت سے زیادہ مدح و ستائش کی تھی تاکہ اس کے خراب اثرات کو مغربی قارئین پر کم کیا جا سکے 'وہ پیشہ ور مستشرق نہ تھا" (۱۸)

بہر حال زیادہ وقت نہ گزرا کہ "دل کو جلا دینے والی اس کتاب "کا مصنف سر ولیم میور 'سر سید کی آنکھ کا تارا بن گیا۔ 11 دسمبر 1875ء کو علی گڑھ کالج کی مالی کمیٹی کے ایک اہم اجلاس کا ذکر کرتے ہوئے فرانسیسی دانشور گارساں دتاسی بیان کرتے ہیں :

"سر ولیم وہاں پہنچے تو کمیٹی کے سیکرٹری سید احمد خان نے اردو زبان میں اپنی رپورٹ پڑھ کر سنائی جس کے شروع میں سر ولیم کی بجا طور پر تعریف تھی۔" (۱۹)

ولیم میور نے فصیح اردو میں تقریر کرتے ہوئے بیان کیا :

"میرے دوست سید احمد خان عرصے سے یہ اینگلو اورینٹل محمڈن کالج قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کمیٹی کے ارکان نے اس کارنیک کو جامہ عمل پہنانے میں ان کی امداد کی 'وہ حد درجہ مستحسن ہے۔ جب سے مجھے اس کالج کا ناظر اعلیٰ نامزد کیا گیا تو مجھے خواہش ہوئی کہ اس ادارے کا معائنہ کروں اور ضرورت ہو تو اسے اپنے مشورے پیش کروں۔ میں نے اس کام کے لئے چندہ دینے میں صرف اس لئے حصہ لیا کہ یہاں غیر دینی علوم اور یورپی ادبیات کی تعلیم دی جائے۔ رپورٹ سے یہ سن کر مجھے عین مسرت ہوئی کہ یہ مقصد حسن و خوبی سے پورا ہو رہا ہے۔" (۲۰)

علی گڑھ کی غیر دینی کیفیت پر مسرت کے اظہار کے بعد اس نے عیسائیت کے حق میں یوں "گوہر افشانی" کی :

"عیسائیوں کو اس ادارے سے کیوں نہ بجا طور پر دلچسپی ہو کہ اس کی اساس اتنی وسیع اور روادارانہ بنیادوں پر رکھی گئی ہے۔ پھر انہوں نے غیر مذہبی مدارس کی ضرورت پر زور دیا اور کہا کہ وہ ہندوستان جیسے ملکوں میں ناگریز ہیں کیونکہ وہاں کئی مذہب پائے جاتے ہیں اور حکومت کے لئے مناسب نہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو لوگوں پر عائد کرے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ حکومت عیسائیت کے ساتھ رعایت آمیز برتاؤ نہ کرے 'جیسا کہ میں خود کرتا ہوں 'کیونکہ مجھے اس پر ایمان ہے کہ وہ خدا کی طرف سے الہام ہوا ہے اور اس کی صداقتوں سے انسان کے لئے فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اسکے بعد سر ولیم نے طلبہ کو مفید مشورے دیئے۔ اس کالج کے سرپرست نوجوان 'راجاؤں اور خاص کر سید احمد خان کی مدح و ستائش کے بعد آپ نے آخر میں انتظامی کمیٹی کی تعریف کرتے ہوئے اپنی تقریر ختم کی۔" (۲۱)

ولیم میور کے الفاظ کی گہرائی پر غور فرمائیے۔ "اسباب بغاوت ہند" کا مصنف عیسائیت کی صداقت کے اظہار میں سرکاری پالیسی کے رعایت آمیز برتاؤ پر اس وقت اور اس کے بعد بھی عمر بھر ہلکا سا کوئی خاموش احتجاج اشارتاً بھی نہ کر سکا 'کجا وہ احتجاج جو اس نے اپنی کتاب میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی متذکرہ پالیسی کے خلاف تحریر کر کے شہرت پائی تھی۔ یہ وہی سر سید ہیں جن کے متعلق الطاف حسین حالی لکھتے ہیں :

"اسلامی حمیت جیسی اس شخص میں پائی جاتی تھی' نہ وہ مولویوں اور واعظوں میں دیکھی گئی نہ صوفیوں اور درویشوں میں۔ جب کوئی بے جا حملہ اسلام یا مسلمانوں پر غیر مذہب والوں کی طرف سے ہوا' اس نے فوراً اس کی مدافعت کی۔ نہ اس معاملہ میں اس کو اپنی صلح کل کی پالیسی کا پاس و لحاظ تھا اور نہ اس بات کی کچھ پروا تھی کہ فریق ثانی کس رتبہ اور درجہ کا آدمی تھا۔"(۲۲)

ایک اور جگہ تحریر کرتے ہیں :

"سرسید کی مذہبی زندگی میں دو ایسی متضاد خاصیتیں پائی جاتی تھیں۔ جو ایک مذہبی آدمی میں بہت کم جمع ہوتی ہیں' حالانکہ اسلامی حمیت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ باوجود اس کے مذہبی تعصبات سے وہ بالکل پاک تھے۔"(۲۳)

کیا یہ سرسید کی متذکرہ متضاد خاصیتوں کا مظاہرہ تھا جو ولیم میور کے مقابلے میں ایک ہندو سوامی دیانند سرسوتی کے معاملے میں وقوع پذیر ہوا؟ اس پر کوئی رائے زنی کرنے سے قبل سرسوتی کا معاملہ مولوی عبدالحق کی زبانی سنئے :

"اگرچہ وہ (سرسید) پکے مذہبی اور اسلام کے شیدائی تھے مگر تعصب ان میں نام کو نہ تھا...

سب کو معلوم ہے کہ سوامی دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب "ستیارتھ پرکاش" میں اسلام اور بانی اسلام ﷺ کے خلاف ناقابل برداشت دریدہ دہنی سے کام لیا ہے جس نے ہندو مسلمانوں میں سخت منافرت پھیلا دی تھی لیکن جب سوامی جی کا انتقال ہوا تو سرسید نے ان کی وفات پر بڑا آرٹیکل لکھا اور ان کے اصلاحی کاموں کی بے حد تعریف کی جسے پڑھ کر حیرت ہوتی تھی۔ یہ ہے ایک سچے اور پکے مسلمان کی بے تعصبی اور رواداری۔ یہ ایک نہیں' ایسی ان کی بیسیوں تحریریں ہیں۔"(۲۴)

سرسید نے اپنے آرٹیکل مطبوعہ علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ (31 اکتوبر 1883ء) میں سوامی کے متعلق اس قسم کے خیالات کا اظہار کیا تھا :

"ہم سے اور سوامی دیانند سرسوتی مرحوم سے بہت ملاقات تھی۔ ہم ہمیشہ ان کا نہایت ادب کرتے تھے کیونکہ ایسے عالم اور عمدہ شخص تھے کہ ہر مذہب والے کو ان کا ادب لازم تھا...... ایسے شخص تھے جن کا مثل اس وقت ہندوستان میں موجود نہیں ہے اور ہر شخص کو ان کی وفات کا غم کرنا لازم ہے کہ ایسا بے نظیر شخص ان کے درمیان سے جاتا رہا۔ ان کے سبب سے ایک نئی شاخ ہندو مذہب میں قائم ہو گئی جو آریہ سماج کے نام سے مشہور ہے۔"(۲۵)

بزرگ صحافی عزیز ملک' دیانند سرسوتی کا تعارف یوں کرواتے ہیں :

"1875ء میں ایک دشمن اسلام متعصب ہندو سوامی دیانند سرسوتی نے آریہ سماج کی بنیاد رکھی اور اس عقیدہ کا پرچار شروع کیا کہ برصغیر صرف ہندوؤں کا ملک ہے اور ہندوؤں ہی کے لئے ہے' غیر ہندوؤں کے لئے یہاں رہنے کی کوئی جگہ نہیں۔ مسلمانوں سے عملی

نفرت کے ابتدائی جراثیم اسی تحریک سے پیدا ہوئے۔"(۲۶)

ڈاکٹر شفیق علی خان آریہ سماج کی اسلام مخالف اور مسلم کش سرگرمیوں کے متعلق تحریر کرتے ہیں :

"گزشتہ صدی کے آخری چوتھائی عرصہ میں ہندوؤں نے کھل کر تشدد، تعصب اور تنگ نظری کا مظاہرہ کیا۔ "آریہ سماج" کا قیام عمل میں آیا۔ آریہ سماجی پنڈتوں نے کھل کر مسلمانوں کے مذہب، تمدن تاریخ اور زبان پر حملے کئے۔ جگہ جگہ بازاروں اور کھلے میدانوں میں انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ مناظرے کئے اور اسلام کی حقیقت کو چیلنج کیا...... آریہ سماجیوں کی حکمت عملی یہ تھی کہ مسلمانوں کے دین اور تمدن پر حملے کر کے ان کو مرعوب کیا جائے اور ان کو دوبارہ ہندو مت اختیار کرنے کی ترغیب دی جائے، اور جو لوگ ہندو بنتے جائیں ان کو ہندو مت کی پانچویں ذات یعنی شودروں سے بھی بدتر درجہ دیا جائے۔ آریہ سماجیوں کی یہ جسارت واقعی قابل مذمت تھی اور اسی سے فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑک اٹھی۔ مسلمانوں سے مناظروں اور مباہلوں کے بعد آریہ سماجیوں نے "شدھی تحریک" چلائی......اس تحریک کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو از سر نو ہندو مت میں داخل کیا جائے۔ ہندو پنڈتوں نے یہ استدلال دیا کہ آج کے مسلمان کل کے ہندو تھے لہٰذا ان کو دوبارہ اپنے قدیم مذہب کی طرف لوٹنا چاہیے، اور اس مقصد کے لئے انہوں نے جگہ جگہ دورے کر کے اور خاص طور پر دیہات کے مسلمانوں کو ہندو بنانا شروع کر دیا .... آریہ سماج نے جس تشدد، تعصب اور تنگ نظری کا مظاہرہ کیا اس کے نتیجہ میں "ہندو مہاسبھا" اور "راشٹریہ سیوک سنگھ" جیسی سیاسی جماعتوں کا قیام عمل میں آیا جن کا واحد مقصد برصغیر کے مسلمانوں کو ختم کرنا تھا"۔(۲۷)

حیرانی ہوتی ہے کہ دیانند سرسوتی کے معاملے میں اسلامی حمیت کے اس جذبے کا مظاہرہ کیوں نہ ہو سکا جس کا چرچا ولیم میور کے ضمن میں کیا جاتا ہے؟ وہ سرسید جنہیں الطاف حسین حالی نے کبھی اس حالت میں دیکھا تھا کہ

"وہ جب کبھی اور کاموں سے فارغ ہو کر بیٹھتے تھے، اکثر سر ولیم کی کتاب کا ذکر کرتے تھے اور نہایت افسوس کے ساتھ کہتے تھے کہ اسلام پر یہ حملے ہو رہے ہیں اور مسلمانوں کو مطلق خبر نہیں"(۲۸)۔

"سوامی جی" کی کتاب پر ان کا دل کباب کیوں نہ ہوا؟ کیا یہ سرسید میں "کوٹ کوٹ کر بھری گئی اسلامی حمیت" کا ردعمل تھا یا مذہبی تعصبات سے بالکل پاک ہونے کا مظاہرہ؟ سرسید نے ایسی ہی ایک مثال میں اس کی وجوہ اس طرح بیان کی ہیں :

"ہم نے جناب سر ولیم میور صاحب کی کتاب کی تردید میں کتاب لکھی جن سے ہماری نہایت دوستی تھی لیکن باہمی ملاقات میں کبھی ذکر نہیں آیا اور نہ اس دوستی میں، جو تھی، کبھی فرق ہوا۔ ہم دونوں جانتے تھا کہ وہ اپنے اپنے خیالات ہیں۔ ماسٹر رام چندر صاحب حد اعتدال سے بڑھ کر اسلام کے برخلاف کتابیں لکھتے ہیں اور ہم بدستور ان کو اپنا دوست سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ ان کے خیالات ہیں، غایت مافی

الباب یہ ہے کہ ان خیالات کو غلط جانتے ہیں۔ ہم سے آج تک کسی غیر مذہب کے شخص سے باہمی دوستانہ ملاقات میں مذہبی گفتگو نہیں ہوئی۔ 35 سال تک ایک اخبار کی ادارت کی مگر کوئی مضمون ایسا نہیں لکھا جس میں تعصب کی بو پائی جاتی ہو۔" (۲۹)

عجیب بات ہے کہ اسلام کے خلاف کتابیں لکھنے والے سب سرسید کے دوست تھے اور انہوں نے سب کی دوستی کا حق ادا کیا۔ "لائف آف محمد" کے جواب میں "خطبات احمدیہ" کا بہت تذکرہ کیا جاتا ہے مگر یہ نہیں بتایا جاتا کہ "ستیارتھ پرکاش" جیسی "ناقابل برداشت دریدہ دہنی" اور "حدِ اعتدال سے بڑھ کر اسلام کے برخلاف کتابیں" لکھے جانے کے باوجود سرسید کی اسلامی حمیت بے تعصبی اور دوستی کے نام پر کیوں قربان ہو گئی بلکہ ولیم میور کا معاملہ بھی بھلا دیا گیا اور اسلام پر ہونے والے حملوں کے معاملے میں مسلمانوں کی بے خبری پر افسوس کا اظہار کرنے والا باخبر ہوتے ہوئے بھی گنگ ہو گیا۔ ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سرسید اپنی علمی اور مجلسی زندگی کی ابتدا کے بہت سے اعتقادات و نظریات سے رجوع کر چکے تھے، اس معاملے میں بھی انہوں نے سابقہ خیالات تبدیل کر لئے تھے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص ان سے ولیم میور اور دیانند سرسوتی کی کتابوں پر ان کے متضاد ردعمل کے بارے میں دریافت کرتا تو وہ صاف صاف بتلا دیتے کہ پہلا واقعہ خالص تعصب کا مظاہرہ تھا جو بعد میں ولیم میور سے باہمی تعریف و توصیف میں بدل دیا گیا جبکہ سرسوتی کے معاملے میں خوشگوار ردعمل بے تعصبی اور "ایک سچے اور پکے مسلمان کی حقیقی اسلامی حمیت" کا نمونہ تھا۔

﴿حواشی﴾

(۱) خطوط سرسید، ص ۴۹
(۲) خطبات احمدیہ، ص ۱۳
(۳) خطوط سرسید، ص ۳۱
(۴) خطوط سرسید، ص ۴۶
(۵) خطوط سرسید، ص ۶۱
(۶) حیات جاوید (۱) ص ۱۵۰
(۷) سرسید احمد خان، ص ۲۰۔۲۱
(۸) حیات جاوید (۲) ص ۱۸۸
(۹) خطبات احمدیہ، ص ۱۳
(۱۰) خطبات احمدیہ، ص ۸
(۱۱) خطبات احمدیہ، ص ۹
(۱۲) خطبات احمدیہ، ص ۲۰۷
(۱۳) فکر و نظر علی گڑھ، سرسید نمبر ۱۹۹۲ء ص ۲۲۵۔۲۲۶
(۱۴) خطوط سرسید، ص ۷۱
(۱۵) سرسید احمد خان اور ان کا عہد، ص ۱۱۵

(۱۶) خطباتِ احمدیہ، ص ۱۵۰

(۱۷) سرسید احمد خان اور ان کا عہد، ص ۱۱۶

(۱۸) سرسید احمد خان اور ان کا عہد، ص ۱۱۵ (حاشیہ)

(۱۹) مقالات گارساں دتاسی (۲) ص ۳۴۷

(۲۰) مقالات گارساں دتاسی (۲) ص ۳۴۸

(۲۱) مقالات گارساں دتاسی (۲) ص ۳۴۸۔۳۴۹

(۲۲) حیاتِ جاوید (۲) ص ۵۵۲

(۲۳) حیاتِ جاوید (۲) ص ۵۴۹

(۲۴) سید احمد خان، ص ۸۴۔۸۵

(۲۵) سرسید کی تعزیتی تحریریں، ص ۱۹

(۲۶) صحافت اور تحریک آزادی، ص ۶۴

(۲۷) تاریخ و تحریک پاکستان، ص ۷۶۔۷۷

(۲۸) حیاتِ جاوید (۲) ص ۱۳۵

(۲۹) تذکرہ سرسید، ص ۳۴۰

کتابیات

۱۔ تاریخ و تحریک پاکستان (مجلّہ علم و آگہی نمبر) گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی (۸۴۔۱۹۸۳ء)

۲۔ تذکرہ سرسید (محمد امین زبیری) پبلشرز یونائیٹڈ لاہور (۱۹۶۴ء)

۳۔ صحافت اور تحریک آزادی (عزیز ملک) شعیب پبلشرز لاہور (۱۹۸۴ء)

۴۔ حیاتِ جاوید (الطاف حسین حالی) نامی پریس کان پور (۱۹۰۱ء)

۵۔ خطباتِ احمدیہ (سرسید احمد خان) مسلم پرنٹنگ پریس لاہور (ب۔ت)

۶۔ خطوطِ سرسید (مرتبہ سید راس مسعود) نظامی پریس بدایوں (۱۹۲۴ء)

۷۔ سرسید احمد خان اور ان کا عہد (پروفیسر ثریا حسین) ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ (۱۹۹۳ء)

۸۔ سرسید کی تعزیتی تحریریں (مرتبہ اصغر عباس) ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ (۱۹۸۹ء)

۹۔ سرسید احمد خان، حالات و افکار (ڈاکٹر مولوی عبدالحق) انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی (۱۹۷۵)

۱۰۔ فکر و نظر علی گڑھ (سرسید نمبر) (۱۹۹۲)

۱۱۔ مقالات گارساں دتاسی (جلد دوم) انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی (۱۹۷۵ء)

Adarts-SJS-17/98